مقاصد قرآن

از مولنا سید صبغۃ اللہ حسینی بختیاری فاضل دیوبند استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد

قرآن مجید کے نازل ہونے کا اہم مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی دینی و دنیوی زندگی کی پوری اصلاح کی جائے اور ان کی افراد واقوام کو بھلائی کے ایسے طریقے تبلائے جائیں جن سے صحیح انسانی برادری پیدا ہو۔ اور انسانی عقلیں اپنے کمال کے مرتبوں پر فائز ہو کر نفس و روح میں صفائی اور اخلاقی پاکیزگی پیدا کریں۔

اس جلیل القدر مقصد کے حاصل کرنے کے لیے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان میں مختلف پہلوؤں سے کام لیا گیا ہے جو نفسیاتی نقطۂ نظر سے نہایت ضروری ہیں۔ اسی لیے بعض اُن امور کو جو زیادہ اہم نہ تھے صرف ایک دفعہ بیان کر دینا کافی سمجھا۔ اور جو اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور قوی تھے ان کو ذہن نشین کرانے کے لیے بار بار بیان کر کے تنبہ کیا گیا ہے کہ انسانی دنیا کو اس کی سخت ضرورت تھی تاکہ دلوں سے وہ تمام بے کار باتیں، سارے مزعومہ خیالات اور خرافات نکل جائیں جو آبا و اجداد سے دماغوں میں راسخ چلے آرہے ہیں اور وہ تمام بری عادتیں اور خراب خصلتیں جن کی آلودگیوں سے انسانی روح کو کوفت ہو رہی تھی ان سب کو نکال کر ان کی بجائے ایسی اچھی باتوں اور عمدہ علوم و معارف کا بیج انسانی دلوں میں بو دیا جائے جس کے برگ و بار سے خود وہ بھی لطف اندوز ہوں اور دوسروں کو بھی اس سے حلاوت حاصل ہو سکے۔ بعض مقاصد ایسے بھی تھے جن کا نفع فوری حاصل ہونے والا نہ تھا بلکہ آیندہ چل کر ان سے فائدہ پانے کی امید ہو سکتی تھی اور چند چیزیں ایسی

بھی تھیں جو ایک ہی وقت میں کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ تدریجی رفتار سے اپنے درجہ کمال پر پہنچنے والی تھیں اور پھر ان میں جو صراحت کے قابل نہ تھیں ان کی طرف صرف اشارہ کر دینا کافی تھا اسی لیے تفصیل کو چھوڑ کر اجمال سے کام لیا گیا۔ بہرحال قرآن نے اپنی پیش کردہ ہدایات میں ان طریقوں کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ یہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی ذمہ لیا گیا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک ایک حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لیے جو عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا گیا اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اغراض میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ جمعہ رکوع)

وہی (خدائے قدوس) ہے جس نے مکہ کے اُمیوں میں انہیں میں کا ایک رسول مبعوث فرمایا (جو) ان کو اس (خدائے قدوس) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کو پاک وصاف کر دیتا ہے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور حکمت وعقلمندی سکھاتا ہے اور وہ (لوگ) اس سے پیشتر صریح گمراہی میں پڑے تھے

ہم یہاں قرآن مجید کے وہ اصول بیان کرنا چاہتے ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے واسطے قیامت تک کے لیے لائے ہیں۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے خدا کی طرف سے جتنی کتابیں نازل کی گئیں اور جتنے انبیا مبعوث ہوئے ان سب کی تعلیمات کا خالص نچوڑ اور ان کے احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا خلاصہ ان اصول میں آگیا ہے اور جو خدا کی آخری کتاب ان اصول وکلیات کی حامل ہے اس کو انسانی دست برد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ حجر ۱)

بیشک ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی

اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے والے ہیں۔

اور اس کی حفاظت وصیانت کا بھی معقول کافی طور پر بندوبست کر دیا گیا ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حم سجدہ رکوع ۵)

اس میں باطل نہ دخل پائے گا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے یہ قرآن حکیم حمید کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

غرض ہر طرح سے اس کی ذمہ داری کا وعدہ فرمایا گیا، اور درحقیقت یہی کتاب برحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر روشن دلیل ہے کہ وہ آپ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے نہ یہ کہ اس کو خود آپ ہی تصنیف کر رہے ہیں کیونکہ جو شخص بچپن ہی سے باپ کے سایہ سے محروم ہو چکا ہو اور ایک ایسی قوم کے ماحول میں پیدا ہوا ہو جو وحشت، جہالت، بربریت، قتل، غارت گری اور لوٹ مار میں اپنی آپ نظیر ہو اور وہ بھی ایک ایسے شہر میں جہاں خدائی تعلیم کا کوئی چرچا نہ رہا ہو۔ پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ شخص دنیا کے سامنے خود اپنی قابلیت سے ایسی جامع کتاب پیش کر دے جس کے مقاصد اس قدر ارفع و اعلیٰ ہو کہ اہل عالم کے لیے ترقیات کی راہیں کھولنے والے ہوں پس یہ منہ بولتی کتاب خود اس کے فرستادہ الٰہی اور رسول ہونے کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

اصلاح دینی کے تین ارکان دین اسلام کے تین بنیادی رکن ہیں جن کو لے کر تمام انبیاء و مرسلین دنیا میں آئے اور دنیا والوں کی نیک بختی و سعادت مندی اور کامیابی اس سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ انھیں تین چیزوں کو نہایت مستعدی کے ساتھ مضبوط تھامے رہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ان "ارکان ثلاثہ" کو ایک عمومی ضابطہ کے طور پر پیش فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے اور

وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (بقرہ رکوع)	نصاریٰ اور صابیہ جو ان میں سے ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نیک کام کیے تو ان لوگوں کے لیے ان کا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر کچھ خوف نہیں، اور نہ وہ غمگین ہوں گے

بعینہٖ اسی حقیقت کو دوسرے مقام پر یوں دہرایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصَارٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (مائدہ رکوع ۱۰)	بے شک جو مسلمان اور یہودی ہیں اور فرقۂ صابی اور نصاریٰ، جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نیک عمل کرے، نہ ان لوگوں کو ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہاں پروردگار عالم نے صرف تین باتیں بتلائی ہیں۔ پہلی اللہ پر ایمان لانا۔ دوسری مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر قیامت میں اپنے اعمال کی جزا و سزا پانے پر یقین کرنا۔ تیسری نیک عملی کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر ایک سیر حاصل بحث کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ان میں سے ایک ایک کی پوری حقیقت واضح ہو جائے اور اسلام کے اصول کی فطریت و حقانیت ثابت ہو جائے۔

رکن اول ایمان باللہ ان تینوں میں سب سے پہلا اور مقدم رکن اللہ کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے اور یہی وہ نظریہ جس میں تمام دنیا کے مذاہب بھٹک گئے قومیں گمراہ ہو کر تباہی و بربادی کے عمیق غاروں میں گر پڑیں یہاں تک کہ وہ قومیں جو خداوندی

پیغام کی مخاطب ہوئیں اور جنہیں ابدی سعادت حاصل کرنے کے لیے روشن احکام و قوانین دیے گئے تھے وہ بھی قعر ذلت میں پڑ گئیں خصوصاً یہودیوں نے تو یہاں تک غضب ڈھایا کہ خدائے تعالیٰ کو انسان کی طرح قرار دے دیا کہ وہ بھی کام کر کے آدمیوں کی مانند تھک جاتا ہے اور کبھی وہ اپنے کیئے پر بھی شرمندہ ہوتا ہے اور یہ بھی یہودیوں کا زعم باطل ہے کہ کبھی کبھی انسانوں کی شکل میں خدا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ انسانی شکل میں آیا اور یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑکر ان کو پچھاڑ نہ سکا آخر کار مجبور ہو کر برکت عطا کر دی نصاریٰ نے بھی قسطنطین کے عہد میں پرانی بت پرستیوں کو نئے سرے سے شروع کر دیا اور خدا کی زمین کو شرک کی گندگی سے ناپاک کر ڈالا اور ان کی بدتمیزی اس درجہ بڑھ گئی کہ بت پرست قوموں کے ہیکلوں کی طرح خود بھی کنیسے بنا لیے جن میں ہر قسم کے مجسمے تصویریں، مورتیاں بنا کر رکھ لیں اور اس کا سنگ بنیاد تثلیث، کفارہ، اور صلیب کے عقیدہ کو قرار دیا جو اصل میں اجمالی طور پر ہندوستان کے ہندوؤں سے لیا گیا تھا۔ مگر تفصیل کے موقع پر "اقانیم ثلاثہ" کے غیر عقلی مفہوم میں ڈھل گیا۔

درحقیقت یہ ایک خیالی فلسفہ ہے جس کو عقل کبھی نہیں مان سکتی صرف عیسائی حکومتوں کے بل بوتے پر اس کو رواج دیا جا رہا ہے اور نہ صرف یورپ کے ممالک میں بلکہ تمام دنیا میں سونے چاندی کی نہریں بہائی جا رہی ہیں۔ بے دریغ سرمایہ لٹایا جا رہا ہے تاکہ اس غیر معقول عقیدہ کو تسلیم کرایا جائے۔ حالانکہ یہ وہ عقائد و خیالات ہیں جن کو کسی دلیل و حجت سے تسلیم نہیں کرایا جا سکتا۔

پس قرآن عزیز نے اس شرک پرستی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر ڈالا اور اس کا ذہنی قلعہ مسمار کر دیا تاکہ عقلی دلائل سے خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کا عرفان حاصل ہو اور توحید الٰہی صحیح طریقہ پر معلوم ہو جائے۔ اس سلسلہ میں جس قدر مخالفوں کے شکوک و شبہات تھے ان کو رفع کیا گیا ہے عقلی تجربی اور خطابی حجتوں سے مختلف عبارتوں میں نہایت دلکش مثالیں دے کر خاص توحید کو انسانی دماغوں میں جڑ دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ دین کا سب سے اہم رکن اور اس کی اولین بنیاد ہے

اس لیے خدائے قدوس کی اس آخری کتاب نے اس زبردست مسئلہ کو بار بار ذکر کیا ہے اور خدائے عزوجل کی ذات وصفات کی یکتائی اور عبادت واستعانت کے لحاظ اس کی یگانگی صاف اور غیر مشتبہ لفظوں میں جتلا دی اور اس اعتقاد کو راسخ کر دیا گیا کہ کائنات عالم میں جتنی چیزیں موجود ہیں وہ تمام اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہونے میں برابر ہیں اور خدا کے سوا کوئی نہیں جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو۔ خود انسان اپنی ذات کو بھی کوئی فائدہ پہنچا نہیں سکتا مگر محض ان اسباب و ذرائع سے جو خدائے تعالیٰ نے اپنی مشیت ازلی سے مسخر کر دئے ہیں۔

غرض کہ خداوند عالم کی توحید بلحاظ اس کی ربوبیت کے یہ ہے کہ پیدا کرنے اور تمام مخلوق کی تدبیر کرنے کے اعتبار سے اس کو یکتا سمجھا جائے اور توحید کی اس قسم کو قرآن حکیم میں بار بار بیان کیا گیا ہے تاکہ عرب کے مشرکین پر حجت قائم ہو جائے جو خدائے برتر کے سوا دوسرے باطل معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور ان معبودوں کو خدا کی بارگاہ میں اپنا سفارشی اور حمایتی جانتے تھے اور رنج و راحت کے موقعوں پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کا یہ اعتقاد اسباب ومسببات کے طریق پر نہ تھا بلکہ ان کو وہ حقیقی حاجت روا مشکل کشا جان کر ایسا کیا کرتے تھے اور اپنی تکلیفوں میں انھیں کو پکارتے انھیں کی دہائی دیتے۔ اسی گمراہی کی وجہ سے قرآن مجید نے "دعا" کو سینکڑوں مرتبہ پیش کیا ہے کیونکہ "دعا" ہی عبادت الٰہی کی روح ہے بلکہ عین عبادت اسی کو کہنا درست ہے۔ اس کے علاوہ جتنی عبادتیں ہیں وہ سب اسی سے نکلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہر رنج و راحت میں پکارا جائے اور غیر اللہ کو پکارنے کی مطلق ممانعت کر دی گئی۔

الحاصل الٰہی بیان کردہ اصول میں توحید کے اثبات کے طریقے، شرک کے باطل کرنے کی دلیلیں اور اس مقصد کے لیے ایسی ایسی تمثیلیں دی گئی ہیں جن سے توحید و شرک دونوں کا صحیح نقشہ انسان کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور یہ امر بالکل روشن ہو جاتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے سوا کوئی

نہیں جس کو پکارنا فائدہ پہونچائے اور وہ ہماری پکار کا جواب دے سکے۔ اور جتنی مخلوقات ہیں وہ سب اسی کی فرماں بردار ہیں، اس کا حکم بجا لاتی ہیں۔ ان میں جو سب سے افضل ہیں (یعنی انبیاء کرام اور فرشتے) وہ بھی اسی کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اسی کو پکارتے اور اسی کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اسی کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ طاقت نہیں کہ کسی کی حاجت روائی یا فریاد رسی کرسکیں، حتیٰ کہ اذن الٰہی کے بغیر کسی کی سفارش تک کرسکیں۔ جو لوگ مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو، عام اس سے کہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا اولیاء، اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں یا ان کے آگے سرنیاز خم کرتے ہیں، قیامت کے روز ان کے وہ معبود ہی خود ان سے صاف بے زاری کا اعلان کردیں گے اور اس بات کا بھی اعلان کر ڈالیں گے کہ ہم نے ہرگز ان کو ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا تھا یہی وہ چیز ہے جس کی تفصیل و تشریح اللہ کی سچی کتاب جا بجا کرتی ہے۔ اس نے اللہ کی ذات و صفات پر ایمان لانے کے لیے قدرت کی مختلف نشانیاں پیش کی ہیں۔ جو عقیدۂ توحید کے لیے بمنزلہ غذا کے ہیں اور ان روشن نشانیوں پر غور کرنے والے کمال کے مرتبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ خدا کی صحیح معرفت ان کو حاصل ہوجاتی ہے اور خدا کی محبت ان کے دلوں میں اس کے عیوب و نقائص سے منزہ ہونے کی وجہ سے راسخ ہوجاتی ہے اور اُن کے ذہن "اسماء حسنیٰ" کے ذکر سے لذت اندوز ہوتے ہیں یہی سبب ہے جس کے باعث جگہ جگہ احکام شرعی اور قدرتی مظاہر کا ذکر کرنے کے بعد مناسب مواقع پر صفات الٰہی کا قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے کہیں اپنے خلق و تدبیر کی صفت بیان کی تو کہیں حکمت و قدرت اور مشیت کا ذکر فرمایا اور کبھی اپنے حلم و علم کی شان تبلائی اور اس امر کی پوری تاکید کردی کہ ہر حالت میں خدائے قدیر و توانا سے اپنا رشتہ عبودیت وابستہ رکھیں۔

قرآن عزیز میں توحید کو ایسے دل نشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے انسانی ذہن وجد کرنے لگتی ہیں۔ اور اس کی تاثیر سے معرفت کے بلند مراتب پر پہنچ جاتی ہیں۔ چنانچہ ابتدائے سوۂ

حدید میں توحید باری کو نہایت مدلل طریقہ پر پیش فرمایا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(سورہ حدید رکوع ۱)

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی پاکیزگی (اپنی زبان حال وقال سے) بیان کر رہا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے، آسمان وزمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے، اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، وہی سب سے پہلا وہی سب سے پچھلا، اور وہی ظاہر اور وہی پوشیدہ، اور وہی ہر چیز کی واقفیت رکھنے والا، اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر "مستوی ہوا"، جو کچھ زمین میں گھستا ہے اور جو کچھ آسمانوں سے نیچے اترتا ہے، اور جو کچھ اوپر چڑھتا ہے وہ (ان سب کو) جانتا ہے، تم جہاں کہیں رہو وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے، اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے، زمین و آسمان کا وہی بادشاہ ہے، اور سب چیزیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں، وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور وہی دلوں کے بھید دل کو جانتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اس کی پاکیزگی

اور تقدیس بیان کر رہی ہے۔ اور اس کی تسبیح کرنے والے ان گنت ہیں تمام فرشتے، زمین پر بسنے والے انسان، اور دنیا کے سارے جانور، درندے، چرندے، پرندے، اور سمندر کی تہ میں رہنے والی آبی مخلوقات، غرض بر و بحر میں کوئی نہیں جو اس کی تسبیح و تہلیل سے غفلت برتے اور اس کی یاد سے بے خبر ہو جائے۔ اگر سننے والوں کے پاس سننے کے ذرائع نہ ہوں، نہ ہوا کریں۔ اس سے یہ کیسے سمجھ لیا جاتا ہے کہ جب ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو فی الواقع بھی ایسا نہیں ہے۔ حالانکہ ابھی کتنے ایسے فطرت کے نوامیس ہوں گے جو انسان کی معلومات سے دور ہیں اور اس کی دست بُرد سے خارج۔

بہر کیف اس امر کو واضح کرنے کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ اے شرک کرنے والو! تم نے کیونکر اس ہستی کے لیے ایسی باتیں تجویز کر رکھی ہیں جو سراپا عیب ہیں اور اس واجب الوجود کی ذات کے کسی طرح لائق و سزاوار نہیں ہو سکتیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ہوں" اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے کارخانۂ قضا و قدر میں دوسرے شریک ہو جائیں تم نے تو یہاں تک غضب ڈھایا کہ کسی نے خدائے تعالیٰ کو انسان ہی کا ہم شکل بنا دیا اور کوئی یہ ماننے لگا کہ خدا دنیا میں انسانوں کی صورت میں یا جانوروں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے بعض مذاہب عالم میں خدا کو آسمان و زمین بنانے کی وجہ سے تھکا ہوا بتایا گیا ہے اور بعض گمراہ قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ خداوند عالم کی ذات تک رسائی ناممکن ہے جب تک کہ اس کے اور بندوں کے درمیان ایسے وسیلے نہ ہوں جو اس تک پہونچا سکیں الغرض ان تمام خیالات باطلہ کو صرف ایک لفظ تسبیح سے اڑا دیا گیا کہ اس کی ذات اقدس تمام واہی تباہی باتوں سے پاک ہے اور اس کی پاکی پر کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی زبان حال سے گواہی دینے میں مصروف ہے پھر اپنی قدرت کے کمال پر نہایت سادہ پیرایہ میں چند دلیلیں ذکر فرمائی ہیں :-

۱۔ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ میں باری تعالیٰ کی تنزیہ ہے یعنی اس کو ہر قسم کی برائیوں اور

عیوب سے بری ثابت کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے دو باتوں کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ جس کی تنزیہ کی جا رہی ہے اس میں قدرت انتہائی ہو اور کوئی نقصان اس کے ارد گرد بھی نہ آ سکے۔ اسی ایک بات میں سینکڑوں امور آ گئے، بیوی بچوں سے پاک ہونا جسمانی خواہشوں اور نفسانی آلایشوں سے پاک ہونا، کیونکہ جو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے تو اس کو دوسرے مدد کرنے والوں یا کسی قسم کے آلات و وسائل کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ قادر ہونے کے ساتھ ہی حکمت سے بھی متصف ہو تاکہ اشیاء عالم میں ان کے مناسب تدبیروں سے کام لے، اس لیے کہ اگر حکمت نہ ہو گی تو اتنی بڑی کائنات کے بے حد و حساب معاملات کی تدبیر کرنا کسی طرح ممکن نہ ہوگا۔ پھر ہر چیز کی حقیقت کا علم کلی بھی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بے خبری کے ساتھ تدبیر صحیح غیر ممکن ہے۔ اسی واقفیت کا نام "حکمۃ" ہے اور انھیں دو چیزوں کو العزیز اور الحکیم کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۔ اب رہی یہ چیز کہ یہ دونوں باتیں اس کی ذات میں موجود بھی ہیں یا نہیں اس کے لیے اپنے مالک ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے جس سے مخلوقات میں اس کا متصرف ہونا واضح ہو رہا ہے۔

۳۔ یہ کہ اس کے قبضہ میں ساری دنیا کی باگ ڈور ہے۔ وہی ساری مخلوقات کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اگرچہ دنیا کے عالم اسباب ہونے کی وجہ سے مرنا جینا طبعی اسباب کی طرف بظاہر منسوب کر دیا جاتا ہے لیکن جتنی اشیاء موجود ہیں ان کا موجود ہونا اور نہ ہونا سب کی انتہا اسی کی طرف ہو جاتی ہے اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو یہ فطری بات فوری سمجھ میں آ جائے گی اور کہنا پڑے گا کہ وہی ہستی مارتی اور جلاتی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں دنیا کا پیدا کرنا ہے۔ ایسی ہستی کی بادشاہت میں کسی کو دم مارنے کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ قرآن عزیز کی بلاغت اس جگہ نہایت درجہ قابل لحاظ ہے یُحْیِي وَيُمِيتُ کہہ کر یہ جتلا دیا کہ تم روز کے روز اپنی نظروں کے سامنے اس کا

عینی مشاہدہ کر رہے ہو۔

۴۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہر ایک پر اس کو پوری دسترس حاصل ہے۔

اس کے بعد ایسی چار صفات ذکر فرمائی گئی ہیں جن سے یہ مضمون بدرجہ اتم واضح ہو جاتا ہے اور ایک انصاف پسند کے لیے کوئی حیلہ باقی نہیں رہتا۔

۵۔ "ھُوَ الاوّل" وہی سب سے پہلے ہے، اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ کائنات کا ایجاد کرنے والا وہی ہے اور اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے وہی قدیم ہے، اس کے سوائے جو کچھ بھی ہے پہلے نہ تھا۔ اس کے پیدا کرنے کے بعد ہی عالم وجود میں جلوہ گر ہوا۔

۶۔ ھوالآخر۔ یعنی اسی طرح وہ آخر بھی ہے۔ سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی رہے گا اور اس کی ہمشگی و ابدیت کی کوئی حد و غایت نہیں ہے۔

۷۔ الظاھر والباطن۔ وہی سب پر غالب اور بلند و برتر ہے اور موجودات عالم میں اس کی تجلیاں ایسی ظاہر ہو رہی ہیں کہ غور و فکر سے کام لینے اور دیکھنے بھالنے سے ضرور اس تک پہنچنے کے راستے مل جاتے ہیں اور اس بارگاہ اقدس تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اس کا وجود ایسا ظاہر ہے کہ کوئی اس کی طرح ظاہر نہیں۔ حقیقت میں نگاہوں سے چاروں طرف نظر ڈالو تو آفاق و انفس میں اسی کی جلوہ فرمائیاں دیکھو گے، یہ اور بات ہے کہ تمہاری نظروں کی کوتاہی، اور تمہاری نگاہوں کی تنگ دامنی، اس کے حسن و جمال کی رعنائیوں کو نہ پا سکے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اتنا ہی انسانی عقل و خرد کی رسائی سے دور، مادی آنکھوں سے چھپا ہوا اور اجل ہے کہ نہ کوئی انسان اس کو دیکھ سکے اور نہ اس کی کنہ و حقیقت تک پہنچ سکے۔ گرباایں ہمہ وہ ہر چیز پر اس طرح احاطہ کیے رہے ہے کہ فرش سے عرش تک اس کی نشانیاں، قدرت و حکمت کی نیرنگیاں اپنی پوری نمود و نمائش کے ساتھ

رونق افروز اور بہجت افزا ہیں، یہ سب کچھ "الظاہر والباطن" کی تشریح تھی آگے چل کر "وھو بکل شئی علیم" کہا ہے جس سے الحکیم کی حقیقت بھی بالکل واضح ہوگئی گویا کہ یہ اسی کا تتمہ تھا۔

ان دلائل کے بعد چند ایسے حقائق پیش کیے جاتے ہیں جن سے گزرے ہوئے اور آنے والے زمانے میں پروردگار عالم کی قدرت وحکمت کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ "ھو الذی خلق السموٰت والارض" میں یہ تبلانے کے بعد کہ آسمان وزمین کو پیدا کیا یہ بھی جتلایا جاتا ہے کہ "ثم استویٰ علی العرش" یعنی اس کا قبضہ واقتدار اس طرح پر ہے کہ اس کے احاطہ سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں ہے "یغشی اللیل والنھار" سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کہیں "یدبر الامر" سے تعبیر فرمایا ہے۔

عام طور پر دنیا کا دستور ہے کہ بادشاہوں کی تخت نشینی ہوتی ہے تو اس کی ایک تو ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک معنوی غرض وغایت، یعنی سلطنت کے تمام امور پر اس طرح قبضہ کر لینا کہ کوئی فرمان شاہی سے سرتابی نہ کر سکے۔

پھر اس کے بعد اپنی صفات جلیلہ میں سے علم، احاطہ اور حکمت کا اظہار "یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر" سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو زمین کے اندر گھس جاتی ہیں مثلاً پانی، تخم ریزی، دفینے خزینے، اور مردوں کی لاشیں۔ یا جو زمین سے نکل آتی ہیں جیسے سبزیاں، غلے، درخت اور معدنیات میں سے لوہا، پیتل، سونا، چاندی یا جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں خواہ بارش ہو یا رحمت الٰہی، یا رحمت کے فرشتے ہوں یا عذاب کے اسی طرح وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہیں خواہ ملائکہ ہوں یا بندگان خاص کی وہ روحیں جو اپنے بدن کی کثیف چادریں اتار کر ملاء اعلیٰ سے جا ملتی ہیں،

یا وہ لطیف بخارات ہوں جو زمین سے اوپر کو چڑھتے ہیں اور بادل بن کر برستے ہیں، انہیں چیزوں پر کیا موقوف ہے وہ تو ہر حال میں تمہارے ساتھ ہی لگا ہوا ہے۔ خواہ تم کہیں ہو اور وہی تمہارے اچھے برے اعمال سے باخبر ہے۔

پھر سابق مضمون کو ایک دوسرے پیرایہ بیان میں پیش کیا گیا ہے "له ملك السموٰت والارض" یعنی کائنات علوی وسفلی کی تمام چیزیں اس کی ملوک اور تابع فرمان ہونے کے اعتبار سے اسی کی عالمگیر قدرت کے ماتحت ہیں اور جتنے امور ہیں خواہ حسی ہوں یا معنوی، روحانی ہوں یا مادی سب کے اسباب کی انتہا اسی کی بارگاہ قدس تک ہوتی ہے اور ان سب کا حقیقی سبب الاسباب وہی ہے۔

غرض کہ ساری کائنات و مافیہا کا مرکز اصلی اسی کی ذات مبارکہ ہے جس کی طرف لوٹنا یقینی ہے اگر اس میں تمہیں کچھ شک وشبہہ ہو تو روزانہ گردش لیل ونہار کو دیکھ لو خودبخود یہ باتیں سمجھ میں آجائیں گی۔ ان تمام امور کی بوجہ اتم صراحت و وضاحت کر دینے کے بعد حقیقی اور اصلی مقصد کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ "اٰمنوا باللہ ورسولہ"۔

اسی طرز پر سورۂ حشر کے اخیر میں توحید الٰہی کے مسئلہ پر نہایت موزوں طور پر وعجیب انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ	وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غیب
الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمِ	شہادت کا جاننے والا بڑا ہی مہربان، بہت ہی رحمت
ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ	والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ	وہ بادشاہ پاک ذات، سلامتی والا، امن دینے
الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ	والا، نگہبان، زبردست، دباؤ والا، کبریائی

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورہ حشر ۴)

والا'۔ اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جنھیں وہ اس کے ساتھ شریک کر رہے ہیں، وہی اللہ پیدا کرنے والا، صورتیں بنانے والا ہے، اسی کے لیے اسمار حسنیٰ ہیں اسی کی تسبیح میں مصروف ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی غالب حکمت والا'

ان آیتوں میں خدائے عزوجل نے اپنی ذات وصفات کا ذکر فرمایا ہے جس سے اس کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال وجبروت کی شان انسانی دماغ میں کچھ اس طرح سما جاتی ہے کہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہی ہونے نہیں پاتا یعنی وہی خدائے برحق معبود حقیقی ہے جس کے سوائے کوئی نہیں جو عبادت کے لائق ہو سکے وہی آسمانوں کا پیدا کرنے والا، زمین کو فرش کی طرح بچھا دینے والا اور جتنی بھی آسمان و زمین کی چیزیں ہیں سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ صفات کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ہر چھپی ہوئی اور ہر کھلی ہوی بات کا جاننے والا ہے، یہاں لفظ "الغیب" استعمال کیا گیا ہے جو اپنی معنوی حیثیت سے نہایت وسیع اور جامع ہے، نہ صرف وہ جو انسان کے حواس خمسہ سے غائب ہے بلکہ جو فرشتوں کی نگاہوں سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے۔ ملار اعلیٰ اور عالم قدس انسان کے اعتبار سے غیب ہے۔ اسی طرح اور بہت سے عالم ہیں جو انسان سے اوپر والی مخلوق کے لحاظ سے بھی غیب ہیں غرض یہ ہے کہ ہر ایک چیز اس کے تحت داخل ہو جاتی ہے کیونکہ بے شمار چیزیں ہیں جو فرشتوں سے بھی دور ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے کوئی ذرہ خارج نہیں غیب کے مراتب اضافی ونسبی حیثیت سے سیکڑوں نکلتے چلے جائیں گے، اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غیب جو کہا گیا ہے وہ مخلوقات کی نسبت سے ہے ورنہ اس کیلئے تو ساری کائنات اور کائنات کا ذرہ ذرہ شہادت ہی شہادت ہے۔ اور اس کے یہاں سب کچھ عیاں ہے کوئی اس سے پوشیدہ نہیں۔

الرحمٰن الرحیم۔ یہ دونوں لفظ رحمت سے نکلے ہوئے ہیں اور دونوں مبالغہ کے

صیغے ہیں لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ذکر فرما دیا ہے "یارحمٰن الدنیا ورحیم الاخرۃ" اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم! اس جگہ رحمان کی اضافت دنیا کی طرف کی گئی ہے اور رحیم کی آخرت کی طرف، کیونکہ دنیا کی بڑی بڑی نعمتیں اور لذتیں بھی آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہیں غرض رحمٰن میں کمیت کے اعتبار سے اور رحیم میں کیفیت کے اعتبار سے رحمت کا مبالغہ ہے۔

اور رحمت کے وہ معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں یہ ہیں کہ وہ ایک باطنی جذبہ ہے جو کسی کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور اسی کے پیدا ہونے کے سبب ایک انسان دوسرے انسان پر احسان کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ معنی تو خدائے تعالیٰ کی ذات پر اطلاق نہیں کیے جا سکتے۔ پس خدا کے لیے جب رحمت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے رحمت کا نتیجہ اور اثر مراد ہوتا ہے یعنی احسان کرنا۔

"الملک" وہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں تمام موجودات سے بے پروائی وبے نیازی پوری پوری رکھتا ہو اور تمام موجودات اپنے وجود وبقا کے لحاظ سے اس کی سراپا احتیاج ونیاز بنی ہوئی ہوں۔

جب انسان کو اس صفت الٰہی کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے کہ حقیقی بادشاہ صرف خدائے تعالیٰ ہی ہے تو انسان اسی کی درگاہ احدیت کا ہو رہتا ہے۔ اسی کی طاعت وفرمانبرداری کرنے لگتا ہے، اور ہر دوسری چیز سے بے نیاز ہو کر اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں اسی کا دروازۂ رحمت کھٹکھٹاتا ہے۔ اس کے سوائے کسی دوسرے کے آگے التجائیں پیش نہیں کرتا پھر جو انسان اس صفت خداوندی کا مظہر بن جائے اور اس کے رنگ میں اپنے ظاہر و باطن قلب وقالب کو رنگ لے تو وہ ساری قوتوں پر غلبہ وتسلط حاصل کر کے ان کو فطرت سلیمہ کے تابع کر لیتا ہے۔

"القدوس" یعنی بے حد پاک اور ہر نقص وعیب سے بری، ہر قسم کے وہم وگمان۔

اور خیالات سے بالاتر اور انسانی ادراک کے طائر فکر و نظر سے بلند انسان پر اس صفت ربانی کا جب پرتو پڑتا ہے تو وہ بجسر اپنے احاطۂ احساس اور حیطۂ تخیل سے بالکل الگ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اس کا علم، علوم الٰہیہ سے کچھ ایسا وابستہ ہوجاتا ہے کہ کسی حال میں اس کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا اور اس کی قوت ارادی اس درجہ پاکیزہ ہوجاتی ہے کہ نفسانی خواہشات وجذبات بھی اس کے تابع ہوکر مرضیٔ الٰہی کے تحت ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

"السلام" وہ ہر اس چیز سے جو عیوب و نقصانات کے قبیل سے ہو بالکل بری اور سالم ہے اور دوسروں کو سلامتی دینے والا ہے۔ وہ دنیا میں بھی اپنی آغوش رحمت میں آنے والوں کو سلامتی بخشتا ہے۔ اور آخرت میں بھی دارالسلام یعنی سلامتی کے گھر میں داخل فرمائے گا۔ اس صفت الٰہیہ سے جو متعلق ہوجائے وہ ہر قسم کی باطنی برائیوں سے محفوظ ہوگا اور حسد و بغض، کینہ اور ہر طرح کی خباثت علمی و عملی و بہیمیت کے آثار سے پاک وصاف ہوکر صاحب قلب سلیم ہوجائے گا اور تقرب الٰہی کا بلند مرتبہ حاصل کرے گا۔

"المومن" وہ ذات ہے جس نے دنیا و آخرت میں ہر تکلیف و مصیبت سے بچنے کے لیے مختلف ذرائع و اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ مثلاً دنیا کی زندگی کے لیے جسمانی امن و حفاظت کا انتظام کیا ہے وہ مواد پیدا کیا ہے جو زندگی کا سامان بہم پہنچانے کے لیے ضروری ہے۔ وہ قوتیں دی ہیں جن کے ذریعے سے اس مواد کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ وہ طریقے سکھائے ہیں جن سے مادیات کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سے اپنے فائدے کے لیے کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس نے روحانی امن و امان کے واسطے بھی اپنے پیغامبر مبعوث فرمائے، ان پر کتابیں نازل کیں جن میں انسانی ضروریات اور مصالح کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی تاکہ معادی و معاشی ہر قسم کے مقاصد کے لیے دلیل راہ ہوں اب انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اس صفت کا مظہر بن کر دنیا و آخرت میں مامون ہوجائے۔

المہیمن۔ انسانی اعمال کی پوری حفاظت ونگرانی کرنے والا اور ان کے سامان رزق وضروریات زندگی کی نگہداشت کرنے والا۔ جب خدائے تعالیٰ کی یہ صفت ہے تو انسان کو چاہیے کہ اپنی تمام خداداد فطری قوتوں کی نگرانی کرنے والا بن جائے کہ کوئی قوت فطری عدم استعمال کی وجہ سے ضائع نہ ہونے پائے یا کوئی قوت بے محل صرف ہو کر حد اسراف کو نہ پہنچ جائے۔ غرض اپنے قوائے کا مشتمل کی حفاظت ونگہبانی انسان کو اس صفت کا مظہر بنا دیتی ہے۔

اُلعزیز"۔ عزیز ایک ایسی صفت ہے جس میں تین باتیں پائی جاتی ہیں پہلی یہ کہ جس کی یہ صفت ہے اس کی نظیر کم ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی ذات سے سب کی حاجتیں متعلق ہوں، تیسری یہ کہ اس تک پہنچنا بہت دشوار ہو۔ یہ تینوں امور باری تعالیٰ میں پورے طور پر پائے جاتے ہیں، اس کی نظیر کم ہونا تو کیا بالکل ہے ہی نہیں، اور کائنات کی ہر شئے اپنے موجود ہونے اور باقی رہنے میں اسی کی محتاج ہے، اور اس کی عنایت کے بغیر اس کی بارگاہ عالی تک رسائی ہو نہیں سکتی۔ پس جس شخص کے دل ودماغ میں "عزیز" کی عزت رچ جائے گی وہ پھر کسی غیر اللہ سے عزت طلبی کا خواہاں نہ ہوگا۔ اور ضرور ہے کہ وہ عزت وسربلندی کے مرتبہ پر فائز ہو جائے اور شان "مالک الملک تُؤتی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ" کا ظہور ہو۔ بہرکیف عزت یا تو خدا کے لیے ہے یا اس کے دیئے ہوئے کے لیے ہے، "للهِ العزة ولرسوله وللمؤمنين"۔

"الجبار"۔ جبار جبر سے مشتق ہے۔ یہ اس ذات کی صفت ہے جس کا جبر وقہر تو ہر ایک پر ہو سکتا ہے مگر کسی کا جبر اس پر نہیں ہو سکتا اور کوئی نہیں جو اس کی قدرت وارادہ سے باہر ہو یا اس کے قبضہ سے نکل سکے "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ"۔

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند عالمے را در دمے ویران کند

انسانوں میں سے جباریت کا مظہر وہ ہو سکتا ہے جو سب کا اس طرح متبوع بن جائے کہ اس کا

اتباع کرنا ہر ایک کے لئے جبری طور پر لازمی ہو اور اس میں تاثر کی صفت نہ ہو بلکہ تاثیر رکھتا ہو کہ جو اُس کو دیکھے متاثر ہو جائے، یہ خاص کیفیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں پائی جاتی ہے کہ آپ تمام دنیا والوں کے لیے حقیقی متبوع بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ ہی کو ساری اولاد آدم کی سیادت کا فخر حاصل ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ کو دیکھا وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی جان اور اپنا مال آپ کی محبت و رفاقت میں ہیچ سمجھا اور سب کچھ آپ کی خاطر چھوڑنا گوارا کر لیا تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صحابۂ کرام کی حالت ایسی ہی تھی۔

"اَلْمُتَکَبِّرُ" شان تکبر و کبریائی کے لائق وہی ذات اقدس ہو سکتی ہے جس کے مقابلہ میں کائنات عالم کی ہر چیز حقیر ہو۔ اور کوئی اس کے سامنے اپنی بڑائی نہ جتلا سکے بلکہ سب اس کے آگے عاجز و درماندہ و محتاج و نیاز مند ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کے سوائے کسی کے لیے تکبر درست نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے آگے تواضع و انکساری اختیار کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ضرور سرفراز و سربلند فرمائے گا۔ اور جو کبریائی اختیار کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

"الخالق، الباری، المصوّر" خلق، براء اور تصویر یہ تینوں صفات قریب قریب ایک ہی مفہوم ادا کر رہی ہیں مگر ذرا فرق بھی ہے "خلق" پیدا کرنے سے پہلے اندازہ کر لینے کو کہتے ہیں "براء" مطلقاً پیدا کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اور "تصویر" صورت دینے کو کہتے ہیں ما اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں درجے کائنات کو ایک ہی وقت میں طے کرا دیے ہیں۔ مگر رتبہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر مقدم ہے۔

"الحکیم" حکمت کے معنی کسی بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ پہچان لینے کے ہیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ خداوند قدوس کی کنہ اور اس کی ذات کوئی نہیں جان سکتا پس یہی چیز بہترین ہے اور حکیم علی الاطلاق اس کے سوائے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا اگر کسی پر یہ لفظ بولا جائے گا تو اس

معنی میں ہوگا کہ اس پر اس صفت الٰہیہ کا پرتو پڑا ہے۔ اسی لیے جب انسان خداوندی علم وحکمت کا مظہر بن جاتا ہے تو اس پر بھی فیضان الٰہی ہونے لگتا ہے اور وہ "مَن یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا" کا مصداق بن جاتا ہے اور یہی مطلب ہے "عَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَآءَ کُلَّھَا" کا کہ فطرت آدم میں جو علوم حکمت کے خزانے فاطر کائنات نے ودیعت رکھے ہیں، وہی اپنے اپنے وقت پر بروئے کار آرہے ہیں۔ تو گویا اسی کی ذات تمام حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔

چونکہ گذشتہ آیتوں میں بہت سے اسماء حسنیٰ آگئے تھے اس لیے ان کی کسی قدر تشریح کر دینی ضروری تھی نیز اس لیے بھی ایسا کیا گیا کہ وحدت صفات کے مسئلہ میں بہت غلطیاں کی گئی ہیں اور درحقیقت یہیں سے غلطی کا نقطۂ آغاز ہے کیونکہ گمراہ قوموں نے ہر کام اور ہر صفت کے لحاظ سے ایک ایک معبود قرار دے رکھا تھا حالانکہ ان صفات متعددہ کا ایک ہی ذات میں اجتماع ہے۔

غرض قرآن مجید نے نہ صرف توحید ذاتی کو بیان کیا ہے بلکہ صفات و افعال کے لحاظ سے بھی مسئلۂ توحید کی وضاحت کر دی ہے۔ اور وحدت صفات باری کی گتھی کو بالکل سلجھا کر رکھ دیا ہے۔

باقی

توحید وسنت کا علمبردار

الفرقان (بریلی)

الفرقان دین الٰہی کا مبلغ۔ ملت اسلامیہ کا بیباک محافظ۔ مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں مسلمان کا بہترین مناظر، اور جھوٹے پیروں اور جعلی مولویوں کے لیے موت کا پیغام ہے کتاب وسنت اور اصول فطرت کی روشنی میں دین حق کی تائید وحمایت اور مذاہب باطلہ کی تردید و مخالفت اس کا نصب العین ہے وہ اختلافی مسائل پر انتہائی متانت اور بے نظیر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ الفرقان کا ادبی معیار بھی نہایت بلند ہے دوسرے مذہبی صحائف میں جس کی نظیر ملنی بھی دشوار ہے اگر آپ ہندوستان میں توحید وسنت کا بقاء وتحفظ چاہتے ہیں تو آج ہی کی تاریخ سے الفرقان کے خریدار ہو جائیے اور حمایت حق واحیاء سنت کے فریضہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ سالانہ چندہ کاغذ قسم اول ۱؎ قسم دوم ۱؎ منیجر الفرقان بریلی - یوپی۔